معاشرے کی تشکیل میں تہذیب کا کردار

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi

Faculty Member, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

محمد لقمان

Muhammad Luqman

Ph. D Scholar, Dapartment of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Civilization play an important role in the development of a society. Human and cultural behaviours forms culture. Religion, language, human behaviours, economical activities, traditions and customs are essential for civilization. Without these elements formation of society is impossible.

انسان کو سب سے پہلے اپنے اردگرد کے ماحول کا احساس ہوا۔ یہ ایک قسم کا حسی ماحول تھا جس نے انسان کے اندر شعور اجاگر کیا، اسے اس ماحول کے اندر اپنی ذات کا عرفان بھی ہوا اور اس کے اندر فطرت Nature کا شعور بھی بیدار ہوا۔ انسان کا فطرت Nature سے تعلق حیوانی نوعیت کا تھا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ انسان نے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اوزار، ہتھیار اور آلات بنائے، اس نے اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ پھر انسان کے اندر اس حقیقت کا احساس بیدار ہوا کہ اسے سماجی اور معاشرتی حالات کے ساتھ ساتھ مساوات، اخوت، رواداری، جمہوریت اور انصاف جیسی قدروں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ سبطِ حسن اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''ہر تہذیب کا مخصوص نظامِ فکر و احساس ہوتا ہے۔ یہ نظام اس رشتے کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے جو معاشرے کے افراد اور موجودات میں استوار ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان کے حالات جس سطح پر ہوں گے اس کے شعور کی سطح بھی وہی ہو گی۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور دوسرے انسانوں سے اس کا رابطہ جس قسم کا ہوگا

اس کے سوچنے اور محسوس کرنے کا انداز اور اس کے عقائد و رجحانات بھی اسی کے مطابق ہوں گے۔ جنگلی دور کے انسان میں خدائے واحد کا یا جنت دوزخ کا یا یومِ حشر کا شعور پیدا نہیں ہوسکتا تھا اور نہ قرونِ وسطیٰ کا انسان ارتقا، اضافیت اور جوہری توانائی کے نظریے دریافت کرسکتا تھا۔''(۱)

معاشرتی روابط میں تبدیلی کی وجہ سے آلات اور ہتھیاروں میں تغیر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ معاشرے کی تخلیقی قوت میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ مثال کے طور پر قدیم دور کا انسان تیر کماں اور لکڑی سے جنگلی جانوروں کا شکار کرتا تھا۔ درختوں کے پھل اور پھولوں سے غذائی ضروریات پوری کرتا تھا۔ درختوں کی کھوہوں میں رہتا تھا۔ پتھروں کی رگڑ اور لکڑی سے آگ جلاتا تھا لیکن اس دور کا انسان مظاہرِ فطرت پر غور و فکر کرنے سے عاری تھا۔ اسے ماحولیاتی تغیرات کا علم نہیں تھا۔ وہ جمادات، حیوانات اور نباتات کے مطالعہ سے عاری تھا۔ زمین و آسمان، پہاڑ و دریا، آگ و پانی، آندھی و طوفان اور زلزلہ و سیلاب کو بااختیار اور فطرت کی فعال قوتیں تصور کرتا تھا۔ انسان کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی کے ارتقا اور تشکیل کے بارے میں ڈاکٹر نصیر احمد لکھتے ہیں:

''انسان کی معاشرتی و ثقافتی زندگی کی نشو و نما و ارتقا کی تاریخ کا قدرت کے حوالے سے مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ قدرت کا بلاواسطہ اور بالواسطہ ہر اعتبار سے مرہونِ منت ہے۔ انسان روزِ اول سے ''تلمیذ الرحمٰن'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے ہی انسان میں علم و فن سیکھنے اور ترقی کرنے کے لامحدود امکانات ودیعت کر دیے تھے۔''(۲)

تہذیب کا علم قدیم زمانے سے شروع ہوا۔ یہ بنتا، بگڑتا اور سنورتا ہوا ہم تک پہنچا۔ آج تہذیب ایک صاف ستھری صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ تہذیب ایک گھر کی مانند ہے جسے ہم سے پہلے لوگوں نے اور ہم نے مل جل کر بنایا ہے۔ افراد مل جل کر معاشرے کو تشکیل کرتے ہیں اور اسی طرح معاشروں کا وجود تہذیب کے دم سے ہے۔ اقبالؒ نے تہذیب کو جامع نظامِ زندگی اور مکمل فلسفۂ حیات سے تعبیر کیا ہے۔ جیلانی کامران اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''فکرِ اقبال میں تہذیب کی اصطلاح بنیادی نوعیت کی حامل ہے۔ انسانی اور تہذیبی رویے دراصل (Culture) تہذیب مرتب کرتے ہیں۔''(۳)

معاشرہ اور تہذیب کا وجود انسان سے جڑا ہوا ہے۔ اس نظام میں انسان کو مرکزیت حاصل ہے۔ اس باہمی عمل سے معاشرتی ادارے، ان کے اعمال، معاشرتی اقدار اور معاشرتی منصب وجود میں آتے ہیں۔ تہذیب ایک ایسے باضابطہ رویے کا نام ہے جو معاشرتی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ تہذیب کی سرگرمیوں کو معاشرہ عملی جامہ پہناتا ہے۔ ان سرگرمیوں میں عقائد، رسم و رواج، علوم و فنون

اور فلسفہ حیات شامل ہوتے ہیں۔ معاشرہ ہی کسی تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر ہوتا ہے۔ ای۔ بی۔ ٹیلر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''تہذیب ایک ایسی مرکب سالمیت کا نام ہے جس میں ہر قسم کے علوم وفنون، رسم و رواج، عقائد اور قوانین اور دوسری تمام ایسی صلاحیتیں شامل ہیں جو کہ معاشرے کا رکن ہونے کی صورت میں کسی فرد میں پائی جاتی ہیں۔''(۴)

مذہبی عقائد اور تہذیب کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ ہماری تہذیب کا سب سے نمایاں عنصر دین اسلام ہے۔ ہمارا یہ دینی تصور دوسرے مذہبی عقائد کی طرح دھندلا اور پراسرار نہیں بلکہ دین کے اصول تو واضح اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس میں سب سے اہم پہلو خدا کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان و یقین ہے۔ اس کا دوسرا پہلو مساوات ہے جو ہمارے معاشرے کی رگ و پے میں موجود ہے۔ مساوات انسانی کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تہذیب معاشرتی ناہمواریوں اور ذات پات کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتی۔ اگرچہ بعض رسومات ہماری تہذیب کے نصب العین کی راہ میں رکاوٹ ضرور بن جاتی ہیں۔ کسی بھی قوم کی تہذیب اس کے مذہبی نظریات سے ماخوذ ہوتی ہے۔ مذہب کسی بھی قوم یا معاشرت کی اصطلاح کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے کردار کو سنوارنے اور اسے مہذب زندگی کے آداب سکھانے اور ذہنی سکون عطا کرنے میں جتنا حصہ مذہب کا ہے کسی اور فکری عمل کا نہیں۔''(۵)

مذہب کی بنیاد پر معاشرہ بنتا اور بگڑتا ہے۔ معاشرے میں باہمی محبت اور نفرت کے جذبات مذہب کی بنیاد پر پروان چڑھتے ہیں۔ انسان کے کردار اور فکر و عمل پر جتنا اثر مذہب کا ہوتا ہے شاید ہی کسی اور شے کا ہو۔ اس کا اظہار تہذیب و معاشرت کے ذریعے ہوتا ہے۔ تہذیب کے تعین اور معاشرے کی تشکیل میں مذہب بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ انسانی تاریخ کی بڑی اور عظیم تہذیبیں، عظیم مذاہب کی وجہ سے مشہور ہوئیں۔ تہذیب کے زیرِ اثر تمدن جنم لیتا ہے۔ مخصوص تہذیب مذہب کے زیرِ اثر پروان چڑھتی ہے اور مخصوص ثقافت پر بھی اس کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ محمد حسین ہیکل اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''بنی نوعِ انسان کو جس تمدن نے بام ترقی پر پہنچایا وہ نہ صرف مذہب کی گود میں پروان چڑھا بلکہ ابھی تک مذہب ہی کی تربیت میں زندگی بسر کر رہا ہے۔''(۶)

تہذیب اور مذہب آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنی بقا کے لیے معاشرے بالآخر مذہبی ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ بڑی بڑی تہذیبیں جب انحطاط و زوال کا شکار ہوتی ہیں تو ان کی تنزلی کے اسباب میں مذہب سے انحراف پایا جاتا ہے۔ مذہب تہذیب و تمدن کے ارتقا اور نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ یہ

معاشرتی رویوں کو ترتیب دے کر تہذیب کو استحکام بخشتا ہے۔ تہذیبی تنزل کی صورت میں لوگوں کا مذہب کی طرف رجحان اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ تہذیب وتمدن کی نشاۃِ ثانیہ مذہب کی مرہونِ منت ہے۔ فرانسیسی مسلمان دانش ور فرتجوف شواون اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ مذہبی پابندی ''تہذیب وتمدن'' کی شرط نہیں ہوسکتی کیوں کہ تہذیب تو مذہب کے بغیر بھی ممکن ہے تو جواب یہ ہوگا کہ ایسی تہذیب کو پروان چڑھانا، انسان کی سب سے بڑی گمراہی شمار ہوگی۔''(۷)

اسلامی تہذیب کا ماخذ ہمارا مذہب اور اسلامی نظریات ہیں۔ اس مذہب پر کاربند رہنے والے اسی تہذیب کے مطابق زندگی گزارنے کے پابند ہیں۔ بعض اوقات معاشرے کی کئی رسمیں، تہوار، ثقافتی رجحانات اور رویے معاشرے میں غیر محسوس طریقے سے داخل ہوجاتے ہیں لیکن اسے اسلامی ثقافت یا تہذیب نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے اس عہد کے اسلامی معاشرے کی تہذیب کہا جائے گا۔ عطش درانی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے مختلف زبانوں میں جن تہذیبوں کا اجرا کیا، جن تمدنوں کی عمارت تعمیر کی انھیں ہم مکمل طور پر اسلامی تو نہیں کہہ سکتے البتہ مسلم ثقافت اور مسلم تمدن کا نام دے سکتے ہیں۔''(۸)

مسلم معاشرے میں مسلمانوں کا قول وفعل، رسم ورواج اور چال چلن اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ انسانی زندگی ایک نظام پر مشتمل ہے۔ یہ نظام معاشرتی، سماجی، معاشی، مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ انسان کو ایک مخصوص معاشرے میں رہتے ہوئے ان پہلوؤں کو اس نظام کے تابع رکھنا پڑتا ہے۔ یہ نظام تہذیب کہلائے گا۔ یعنی ہم اسلامی تہذیب پر مبنی مسلم معاشرے کے مسلمان شہری ہیں۔ اسلام رواداری کا دین ہے اور دیگر تہذیبوں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر مثبت ہے۔ دنیا کی دیگر تہذیبوں میں اگر اچھی خصوصیات ہیں تو اسلام ان اچھی باتوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ مثال کے طور پر ظہورِ اسلام سے پہلے مہمان نوازی اور تعلیم کا حصول عربوں میں عام تھا۔ اسلام نے ان خوبیوں کو کھلے دل سے اپنایا۔

''اگر ہم پیغمبرِ انقلاب حضرت محمد ﷺ کی انقلابی سیرت کا مطالعہ کریں کہ آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ، اہلِ کتاب اور مجوسِ عجم کے تہذیبی طور اطوار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا تو اس سے ایک متوازن راہ اپنائی جاسکتی ہے۔''(۹)

دوسری تہذیبوں کے بارے میں اسلام کا یہ تہذیبی طرزِ عمل ''اسلامی تہذیب'' میں اور زیادہ ہمہ گیری، عالمگیری اور جاذبیت پیدا کر دیتا ہے۔ اسلام فطری تقاضوں کے مطابق معاشرے کی تشکیل کرتا ہے۔ معاشرے کی تشکیل مسلم تہذیب کا کردار سراسر انسانی اور اخلاقی ہے۔ اس مقصد کے لیے

اسلام نے جو نظام متعارف کرایا اس میں انسانی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ عطش دُرانی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''ہمارے نزدیک اسلام ایک مکمل ثقافت (تہذیب) ہے جو زندگی، اس کے طرز اور مظاہر کو پرکھتا ہے۔ خدا کی خوشنودی وہ بنیاد ہے جس پر اس اسلامی ثقافت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ ہر وہ ثقافتی مظہر جو اقرارِ توحید کرتا ہے، جس میں تقویٰ کی جھلک پائی جاتی ہے، اسلامی ثقافت (تہذیب) کا مظہر ہے۔''(۱۰)

کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں زبان بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زبان کسی بھی تہذیب کا ایک جمہوری ادارہ ہے۔ اس جمہوری ادارے کے اصول وضوابط معاشرے کے خواص وعوام کی باہمی رضامندی اور مشورے سے طے پاتے ہیں۔ زبان کے ''جمہوری ادارے'' سے مراد ہے وہ اصول جنھیں ہماری تہذیب کے کروڑوں افراد نے مل کر عملی صورت دی اور یہ اصول زبان کی صورت میں ہمارے معاشرے میں رائج ہیں۔ معاشرے کے افراد کے درمیان زبان ایک پل کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس کے ذریعے لوگ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں۔ معاشرے کے اندر رہتے ہوئے مخصوص زبان کے مخصوص الفاظ کا استعمال دراصل اس زبان سے محبت کا اظہار ہے۔ اس محبت کا مطلب ہے اپنے بزرگوں اور آباؤ اجداد کا احترام جنھوں نے قوم کے افراد کے ذہنی اظہار اور احساسات اور تجربات کے اظہار کے لیے زبان کا یہ عظیم الشان نظام وضع کیا۔ پروفیسر حمید احمد خان اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جو قومیں تہذیب کی منزل میں داخل ہو چکی ہیں ان میں زندگی کے ضابطے کی پابندی کے ساتھ ساتھ زبان کے ضابطے کی پابندی بھی ضرور پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے آپ یہ خیال کریں کہ ہم نے کبھی پانی اور ہوا کی طرح لفظوں کی ناقدری تو نہیں کی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لفظوں کے متعلق جتنی ناقدری کا ثبوت ہم لوگ دیتے ہیں، دنیا کی کوئی اور قوم شاید ہی دیتی ہو۔''(۱۱)

کسی بھی معاشرے کے لیے زبان کا وجود ناگزیر ہے۔ یہ زبان معاشرے کے افراد کے درمیان مشترکہ وسیلہ اظہار بنتی ہے۔ اسی کے دم سے معاشرے کا دنیا کی دوسری تہذیبوں سے تعلق قائم رہتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ دنیا کی دوسری تہذیبوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنا وجود اور تخلیقی رشتہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس تخلیقی رشتے کے بغیر دیگر رشتے بے معنی ہیں۔ معاشرتی سطح پر زبان عوام اور خواص کے درمیان حائل نفرتوں اور رکاوٹوں کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معاشرتی مسائل کے حل اور قومی یک جہتی کے لیے زبان کا وجود کسی بھی تہذیب کے لیے آبِ حیات سے کم نہیں ہے۔ زبان کی وساطت سے تہذیبی روایات، اس کا شعور اور اعلیٰ اقدار معاشرے کے مختلف طبقوں تک پہنچ رہی ہیں۔ محبوب عالم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''جب تک ہم اپنی زبان کو قبول نہیں کریں گے، اسے نہیں برتیں گے، اس میں اپنی صلاحیتوں کا خون شامل نہیں کریں گے، اسے معاش کا وسیلہ نہیں بنائیں گے تو وہ کس طرح پروان چڑھے گی، قومی تہذیب کی تشکیل کا مسئلہ بنیادی طور پر اسی امر سے وابستہ ہے۔ اگر زبانوں کے مسئلے کو ایمانداری اور خلوص دل کے ساتھ حل کیا جائے تو ایک طرف علاقائی زبانیں ترقی کریں گی، دوسری طرف قومی زبان پھل پھول کر ہمارے قومی مزاج اور تہذیبی روح کا اظہار کر سکیں گی۔''(۱۲)

معاشرت کسی بھی تہذیب و تمدن کے فکری اور عملی رویوں کی عکاسی کرتی ہے۔ اسی طرح اخلاقی اقدار بھی کسی معاشرے کے افراد کے تشخص کی تشکیل کرتی ہیں۔ تہذیب اور اخلاقی اقدار کا آپس میں گہرا رشتہ پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے جن معاشروں میں اخلاقی اقدار مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں وہ تہذیبی لحاظ سے اعلیٰ اوصاف کی مالک ہوتی ہیں اور معاشروں کا تمدن بھی خوش حالی اور ترقی کے زینے طے کرتا ہے جب کہ اخلاقی لحاظ سے زوال پذیر معاشرے تہذیب و تمدن کو بھی تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں طرزِ معاشرت بھی انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے۔ معاشرتی سیرت سازی اور کردار کی تعمیر میں تہذیب کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بھی قوم کی عادات و اطوار پر تہذیب مثبت اور منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ اسی کی نتیجے میں صحت مند یا بیمار معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ فخر الدین حجازی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''تہذیب و تمدن صرف مادی کامیابیوں کے حاصل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں اخلاقی کمالات اور انسانی اعلیٰ صفات کا حصول بھی شامل ہے۔''(۱۳)

معاشرے میں پروان چڑھنے والے رویوں اور تہذیب کا آپس میں گہرا تعلق ہے جس طرح تہذیب رویوں کو متاثر کرتی ہے اسی طرح معاشرتی رویے بھی نئی تہذیبی روایات کو تخلیق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی قوم کی تہذیب بہادری، سچائی اور حکمرانی سے عبارت ہے تو اس معاشرے کے افراد اپنی تاریخی اقدار کو دہرانے اور عظمت رفتہ کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی قوم کی تہذیب فساد، نفرت اور کینہ پروری جیسے امراض پر مبنی ہے تو یقیناً اس معاشرے کے افراد بھی انھی اخلاق رذیلہ کی تاریخ کو دہرائیں گے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''کلچر، تہذیب یا ثقافت جس لفظ سے بھی آپ تعبیر کرنا چاہیں ایک ورثہ ہوتا ہے جو پرانی نسل نئی نسل کو منتقل کرتی ہے۔ نئی نسل اس ثقافتی سرمائے اور تہذیبی ورثے کی نسبت اپنے اندر ایک اعتماد پیدا کرتی ہے جس کے اندر ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے جس طرح انسان کے جسمانی وجود میں تعمیر و تخریب کے دو نظام بیک وقت کام کرتے ہیں بالکل اسی طرح معاشرے کے اندر ایک تعداد مفاد پرستوں

کی ہوتی ہے جس کی کوشش تخریبی ہے۔ اگر تخریب کی وہ سعی جو معاشرے کے اندر سے کی جا رہی ہے، کامیاب ہو جائے تو معاشرے کی تہذیب وثقافت اور کلچر کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔'' (۱۴)

تہذیب وثقافت کسی بھی معاشرے کا دوسرا نام ہے۔ اس معاشرت کی اقدار اور علوم وفنون میں معاشرتی زندگی کے خاص پہلو ہی شامل نہیں ہوں گے بلکہ پوری تہذیب اور ثقافت شامل ہو گی جس سے انسان کے فکر وعمل کے ہر پہلو کی اصلاح کا اظہار ہو گا۔ معیشت بھی ایک اہم معاشرتی ادارہ ہے۔ معاشرے کی تشکیل میں معیشت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اشیا کی پیداوار اور تقسیم سے متعلق انسانی طرزِ عمل کی رہنمائی کا فریضہ معیشت سرانجام دیتی ہے۔ قدیم دور کا انسان جڑی بوٹیوں اور پتوں پر گزارہ کر لیتا تھا۔ اُس وقت معاشرے کو معاشی سرگرمیوں کی تنظیم کی ضرورت نہ تھی۔ اس وقت مشترکہ خاندانی نظام کی بدولت جملہ ضروریات پوری ہوتی تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انسان نے وسائل کے استعمال کا طریقہ سیکھا تو اسے معاشرتی سرگرمیوں کی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انسان نے جانور پالنے شروع کیے، کاشت کاری کا آغاز کیا، زرعی زمینوں کی ملکیت حاصل کی اور کارخانے قائم کیے۔ یہی وجہ ہے کہ معیشت کو معاشرے کا مرکزی ادارہ قرار دیا جاتا ہے اور روز بروز اس ادارے کے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

اسلامی معاشی نظام معاشرے میں ایسے قواعد وضوابط مقرر کرتا ہے جو معاشی زندگی کو تباہ ہونے سے بچاتے ہیں اور معیشت کی گاڑی ان قواعد سے رواں دواں رہتی ہے۔ اسلام حصولِ مال کے ذرائع میں جائز اور ناجائز کا امتیاز پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں مال کی معاشرے کے اندر گردش ضروری ہے۔ اس معاشی نظام کی رو سے مال جمع کرنا جرم اور خرچ کرنا عین ثواب ہے لیکن یہاں فضول خرچی کا حکم بھی نہیں اور اسراف سے بھی کام نہیں لیا جا سکتا بلکہ کفایت شعاری کا طریقہ ضرور اپنانے کا حکم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

''اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل برتتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل رہتے ہیں۔'' (۱۵)

اسلام معاشرے کے لیے معتدل معاشی نظام تجویز کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظریے کے مطابق مال ودولت کو اخلاقیات کے تابع رکھنا ضروری ہے کیوں کہ اخلاقی تربیت کے بغیر اقتصادی ترقی ناممکن ہے۔ اقبالؒ 'ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر' میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اقتصادی مقابلے میں تربیت کے اخلاقی عنصر کی ضرورت کچھ کم نہیں پڑتی۔ اعتماد باہمی، دیانت داری، پابندی اوقات اور تعاون، وہ اخلاقی اوصاف ہیں جو مہارت فن کی برابر کی جوڑ ہیں۔ ہندوستان میں بہت سے کارخانے محض اس لیے نہ چل سکے

کہ کارخانہ داروں کو ایک دوسرے پر بھروسا تھا نہ اصول امدادِ باہمی رہنما تھا۔''(۱۶)

برصغیر کی بیشتر آبادی کاشت کاری کے پیشے سے منسلک تھی۔ کسی بھی معاشرے میں جب تک کاشت کاروں کی معاشرتی زندگی کے مسائل کو حل نہ کیا جائے تو معاشرہ خوش حال نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس خطے میں کسی بھی مفکر نے معاشرتی فلاح کے لیے معاشی نظام متعارف نہیں کرایا اور نہ ہی کسی کو اس معاشرے کے غریب اور مفلس لوگوں کے زخموں کے مداوا کا خیال آیا۔ اقبال ایک غریب کسان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں:

دہقاں ہے کسی قبر کا اُگلا ہوا مردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیرِ زمیں ہے!
جاں بھی گردِ غیر ، بدن بھی گردِ غیر
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے ، نہ مکیں ہے!(۱۷)

معاشرے میں معاشی ناہمواری کے سبب معاشرے کا ایک گروہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے جب کہ دوسرا گروہ غربت کی چکی میں مسلسل پستا رہتا ہے۔ اس طرح معاشرہ استحصال کا شکار ہو کر زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ ارشاد احمد حقانی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''Parasitosis ایک ایسا مرض ہے۔ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی خون پسینے کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔ یہاں ایک طبقہ استحصالی اور دوسرا استحصال زدہ، ایک مراعات یافتہ ، دوسرا محروم ، ایک مرفہ الحال اور دوسرا فلاکت زدہ ہے۔ اول الذکر طبقے کی تعداد دس سے پندرہ فی صد جب کہ دوسرا طبقہ پچاس سے نوے فی صد آبادی پر مشتمل ہے۔''(۱۸)

تہذیب و ثقافت پر رسم و رواج کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رسم و رواج، اخلاقی اقدار اور ذہنی رجحانات کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ ہر تہذیب میں اچھی اور بری دونوں قسم کی رسمیں موجود ہوتی ہیں۔ معاشرے کی فلاح اور خوش حالی کے لیے ضروری ہے کہ بری اور مردہ قسم کی رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ جو معاشرے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتے وہ انحطاط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مسلم معاشرے کو ایسی رسوم سے اجتناب برتنا چاہیے جو معاشرے میں بدعت، فحاشی، بے حیائی اور گمراہی کو رواج دیں۔ اسلام نے معاشرے میں خوشی اور غم کے موقع پر انسانوں کے لیے اصول اور ضابطے مقرر کر دیے ہیں۔ اسلام نے شادی اور بیاہ کی تقریبات سادگی سے منانے کا درس دیا ہے۔ بعض مقامی تہذیبوں کے رسم و رواج ہمارے معاشرے میں سرایت کر گئے ہیں جو خلاف اسلام ہیں مثلاً جہیز، موسیقی، رقص و سرور کی محفلیں سجانا اور انواع و اقسام کے کھانوں پر پیسے کے ضیاع کو اسلام معیوب

سمجھتا ہے۔ اسلام کا ان رسموں پر پابندی لگانے کا مقصد معاشرے کے امیر اور غریب طبقات میں مساوات پیدا کرنا ہے۔ ڈاکٹر عمر حیات اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''مساوات، عدل و انصاف اور احسان و مروت اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات میں سے ہیں اور جن کی بدولت معاشرے کے پسے ہوئے اور مظلوم طبقوں کو ہمیشہ اعتماد اور اطمینان نصیب ہوا۔ اس کے مظلوم و محکوم طبقے نے اسلامی طرزِ معاشرت کو اپنے لیے وجہ سکون پایا۔ ان میں سے کئی لوگوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی تہذیب کے ثمرات سے عملی استفادہ کیا۔''(۱۹)

اسی تصور کو احمد عبداللہ اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

''صرف اسلامی معاشرہ ہی انھیں مساوات اور بھائی چارے کی لازمی اور یقینی ضمانت دیتا ہے جو کہ شریعت کے ذریعے مستقل قدروں اور اصولوں کی روشنی میں قائم ہوتا ہے۔''(۲۰)

معاشرتی زندگی میں خوشی کے ساتھ ساتھ غم بھی آتے رہتے ہیں۔ ایسے مواقع پر معاشرے کے افراد باہمی ہمدردی، تعاون اور مدد سے ایک دوسرے کے غم بانٹتے ہیں اور کفن دفن کی رسومات میں معاشرے کے تمام افراد بلاتفریق شامل ہوتے ہیں۔ غرض کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں تہذیب کا کردار بنیادی نوعیت کا ہوتا ہے۔ معاشرے میں موجود لوگوں کے عقائد، مذہبی سرگرمیاں، زبان و ادب، معاشی و معاشرتی سرگرمیاں اور رسم و رواج تہذیب کے دائرہ کار میں شامل ہیں اور انھی سے معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔ مولانا مودودیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تکون پانچ عناصر سے ہوتی ہے دنیوی زندگی کا تصور، زندگی کا نصب العین، اساسی عقائد و افکار، تربیت افراد اور نظامِ اجتماعی۔ دنیا کی ہر تہذیب ان پانچ عناصر سے بنی ہے۔''(۲۱)

حوالہ جات

۱۔ سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۶ء، ص:۳۷

۲۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، لاہور: فیروز سنز، س۔ن، ص:۳۲

۳۔ جیلانی کامران، فکرِ اقبال کے تہذیبی رویے، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۳ء ص:۱۶۲

5. E.B. Tylor, Primitive Culture, New York: Henry Hold and Company, 1889, P-1

۵۔ آغا افتخار حسین، ڈاکٹر، قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۹ء، ص:۱۶

۶۔ محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمد، ترجمہ: ابو یحییٰ امام خان، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ص:۴۷

۷۔ فرتجوف شُوَاون، Understanding Islam، اردو ترجمہ: سید سلیم گیلانی، بعنوان تفہیم اسلام، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص:۴۲

۸۔ عطش درانی، اسلامی تہذیب و ثقافت، لاہور: شاخ زریں مطبوعات، ۱۹۸۶ء، ص:۹

۹۔ خالد ظفر اللہ، ڈاکٹر، غیر مسلم اقوام سے مشابہت، لاہور: ماہنامہ محدث، اپریل ۲۰۰۲ء، ص:۳۲

۱۰۔ عطش درانی، اسلامی تہذیب و ثقافت، ص:۹

۱۱۔ حمید احمد خان، پروفیسر، تعلیم و تربیت، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۶ء، ص:۱۹۲

۱۲۔ محبوب عالم، پاکستان کے ثقافتی مسائل، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۲ء، ص:۱۴۹

۱۳۔ فخر الدین حجازی، نقشِ پیغمبراں درِ تمدن جہاں، ترجمہ: ڈاکٹر ریاض احمد بعنوان: تمدن انسانی پر انبیاؑ کے اثرات، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص:۵۸

۱۴۔ برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص:۱۱۳۔۱۱۲

۱۵۔ الفرقان: ۶۷

۱۶۔ اقبال، ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر، ترجمہ: مولانا ظفر علی خان، لاہور: اقبال اکادمی، س ن، ص:۳۲

۱۷۔ کلیاتِ اقبال اردو، ۱۵۱/۶۱۳

۱۸۔ ارشاد احمد حقانی، Parasitosis، طفیلیت، پاکستان کے جسدِ قومی کو لاحق سنگین مرض، مشمولہ: جنگ، روزنامہ، ۱۶ فروری ۱۹۹۶ء

۱۹۔ عمر حیات، ڈاکٹر، تصورِ تہذیب، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ء، ص:۵۷

20. Ahmad Abdullah, The Heights-Glory of Muslim World, Karachi: Tanzeem Publishers, 1984, P-96

۲۱۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۶۸ء، ص:۷

☆.....☆.....☆